جناب لفٹیننٹ کرنل ریٹائرڈ محمد اعظم صاحب (اکوڑہ خٹک)

طالبان ـــ ایک جائزہ

چودہ سال تک روسی اور اشتراکی فوجوں سے برسرپیکار رہنے کے بعد ۱۹۹۲ء میں جب افغان مجاہدین کو فتح نصیب ہوئی تو نظر یوں آرہا تھا کہ ۳۵ لاکھ افغان مہاجر پاکستان اور ایران سے جلد واپس اپنے وطن لوٹ جائیں گے اور بلا تاخیر ان کی آبادکاری شروع ہو جائے گی۔ سال دو کے اندر ایک مرکزی حکومت برسر اقتدار آکر کاروبار مملکت سنبھال لے گی مگر

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ڈاکٹر نجیب کی کمیونسٹ حکومت کا ختم ہونا تھا کہ مجاہدین کے لشکر حصول اقتدار کے لئے آپس میں الجھ پڑے اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک چلتا رہا۔ وہ مجاہد کمانڈر جو جہاد کے دوران بین الاقوامی میڈیا پر مجاہدین کے نام سے جانے جاتے تھے۔ افغان خانہ جنگی کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں اپنا مقام کھو بیٹھے۔ افغانستان مضبوط اور مستحکم مرکزی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے سرزمین بے آئین بن کر رہ گیا۔ ملک ایسی افراتفری کا شکار ہوا کہ نہ کسی کی عزت محفوظ تھی نہ کسی کی جان و مال۔ ہر وہ مقامی کمانڈر جو جہاد کے دوران ایک چھوٹے موٹے دستے کا سربراہ تھا اپنے علاقہ کا حاکم بن بیٹھا اور سڑک پر پھاٹک لگا کر محصول وصول کرنے لگا۔ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۲ء تک افغانوں نے لاکھوں جانوں کی جو قربانی دی تھی وہ رائیگاں گئی۔ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ خانہ جنگی کے دوران چودہ سالہ جہاد کی نسبت کہیں زیادہ جانیں گئیں اور کہیں زیادہ تباہی اور بربادی ہوئی۔ آج افغانستان کا کوئی شہر، کوئی قصبہ اور کوئی سڑک اس حالت میں نہیں کہ امن میسر آنے کے باوجود اگلے ایک ڈیڑھ عشرے تک اپنے تباہ حال معاشی حالات سنوار سکے اور اپنے اداروں کو منظم کرکے ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکے۔ ۱۹۹۴ء کے وسط تک عام تاثر یہ تھا کہ افغانستان تقسیم ہو کر چھوٹی چھوٹی علاقائی ریاستوں میں بٹ جائے گا اور اس کا صدیوں پرانا قومی وجود اور اسلامی تشخص ختم ہو کر رہ جائے گا مگر

قدرت کو شاید یہ منظور نہ تھا۔ ضرورت صرف فضائے بدر پیدا کرنے کی تھی۔ فرشتوں کی آمد کا سلسلہ جاری کرنا اس خدائے بزرگ و برتر کا کام تھا جو سارے جہانوں کا مالک اور قادر مطلق ہے اور اپنے نام لیواؤں کا یوں مٹ جانا اسے گوارا نہ تھا۔

اسلام کے نام کی بقاء کیلئے اس صدی کا معجزہ یوں رونما ہوا کہ قدرت ایک بوریا نشین کو میدان میں لے آئی۔ قندھار کے علاقہ ارغستان کا یہ مجاہد افغان جہاد کے دنوں میں چند سو کے ایک لشکر کی کمان کر رہا تھا۔ جہاد کے دوران اسکی ایک آنکھ جاتی رہی۔ ڈاکٹر نجیب اللہ کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ یہ نورزئی مجاہد درس و تدریس کے کام پر واپس اپنے علاقے کو لوٹ آیا مگر ملک میں بڑھتی ہوئی بدامنی، افراتفری اور ظلم اور جبر نے اسکو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اس کیلئے نقطہ عروج جولائی ۹۴ء میں قندھار کے علاقے میں ایک سفاکانہ ڈکیتی بن گئی جس میں مردوں کے قتل کے ساتھ عورتوں کی بھی بے حرمتی کی گئی تھی (جو پشتون معاشرے میں ایک انہونی بات تھی) ملا محمد عمر نے چند پرانے ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور کچھ طلباء ساتھ شامل کر کے ایک مختصر سا لشکر ترتیب دیا اور ان شیطان صفت بد معاشوں کا قلع قمع کر کے فوری اور مبنی بر انصاف وہ مثالی سزائیں دیں کہ مقامی آبادی اپنے اپنے علاقوں میں بھی امن قائم کرنے کی خواہش لئے جوق در جوق آنے لگی۔ طالبان نے اکتوبر ۹۴ء میں سپین بلدک پر قبضہ کر کے پاکستان کے سرحدی شہر چمن سے قندھار تک کی سڑک آمدورفت کے لئے محفوظ کر دی مگر انہی دنوں پاکستان کی پیپلز پارٹی کی حکومت نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کوئٹہ قندھار، ہرات کا راستہ ترکمانستان اور دوسری وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ تجارت کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ایک کانوائی ترتیب دے کر بھیجی جسے قندھار سے نکلتے ہی لوٹ لیا گیا۔ طالبان کی شہرت قندھار سے باہر اس وقت پہنچی جب انہوں نے پاکستانی قافلے کو لوٹنے والے مقامی عناصر کو شکست دے کر اسے واگذار کروایا۔ یہ قافلہ حفاظت ترکمانستان پہنچا اور پھر اسی راستے سے واپس آیا۔ انہی دنوں طالبان کو قندھار کے شہریوں کی طرف سے ایک دعوت نامہ موصول ہوا کہ وہ آئیں اور قندھار میں امن قائم کریں جو کہ بد نظمی اور بدامنی کی انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ نومبر ۱۹۹۴ء میں مُلا محمد عمر نے جمعیت اسلامی کے گورنر قندھار کو برطرف

کر دیا جس کے طور طریقے اسلامی نہیں تھے اور جس کے خلاف عوام کو بہت سی شکایات تھیں۔ قندھار اور اس کے گردونواح میں امن کی باتیں ملک سے باہر نکلیں تو سرکاری مہمان قندھار آنا شروع ہوگئے۔ اس میں پاکستان کے وزیر داخلہ جنرل بابر بھی تھے اور پاکستان میں امریکی سفیر جان مونجو بھی۔ قندھار کے بعد طالبان نے جس طرف رخ کیا کامیابی ان کے قدم چومتی گئی۔ جنوری ۱۹۹۵ء تک طالبان نے غزنی تک کا علاقہ اپنی عملداری میں شامل کر کے اسے خطہ امن بنادیا تھا۔ طالبان جہاں گئے بدامنی اور عدم تحفظ کے شکار لوگ ان کے استقبال کیلئے آئے۔ افغانستان کے لوگوں نے ان کو دعوت دے کر بلایا۔ لوگ دوسالہ خانہ جنگی سے عاجز آچکے تھے۔ پرامن زندگی ان کی سب سے بڑی تمنا تھی۔ امن قائم کرنے کے لئے طالبان جس طرف گئے انہوں نے پہلے تمام لوگوں سے اسلحہ اکٹھا کیا اور پھر اسلامی تعزیرات نافذ کیں اور عدل وانصاف کی وہ مثالیں قائم کیں جو خلفائے راشدین کے وقتوں کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

پاکستان اور بین الاقوامی میڈیا پر طالبان کے بارے میں جان بوجھ کر ایک غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ وہ پاکستان، امریکہ یا سعودی عرب کی ایماپر معرض وجود میں آئے اور ان کی مدد سے اپنی فتوحات جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس سوچ کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ طالبان کا ایک طاقت بن کر ابھرنا مشیت ایزدی تھا۔ بالکل اس خودرو پودے کی طرح جسکو اس کا سازگار ماحول، اس کا مناسب موسم، اس کے جغرافیائی حالات جنم دیتے ہیں اور وہ ایک دن تناور درخت بن جاتا ہے۔ طالبان بھی اسی تدریجی عمل سے معرض وجود میں آئے۔

طالبان اپنے حالات اپنے ماحول کی پیداوار ہیں اور ان کی بقا نہ صرف ان کے اپنے اسلامی تشخص کے لئے ضروری ہے بلکہ یہ پاکستان کی بقا کیلئے بھی بے حد اہم ہے۔ اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے پاکستان اور افغانستان ایک ہی خطے میں واقع ہیں۔ افغانستان ہمارا نزدیک ترین ہمسایہ ہے جس سے ہمارے تاریخی، نسلی، لسانی، ثقافتی، معاشرتی اور مذہبی روابط اس قدر قریبی ہیں اور گہرے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ افغانستان میں روسی جارحیت کے خلاف پاکستان فرنٹ لائن ملک اس لئے بن گیا تھا کہ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ

نہیں تھا۔اس میں اگر ہم نے کہیں اور سے امداد حاصل کر کے فائدہ اٹھایا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم کسی اور کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ہم افغانستان کی بقاء کے ہمراہ اپنی بقا کی جنگ بھی لڑ رہے تھے۔ روس جب تک افغانستان سے پسپا نہیں ہوا تھا۔امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک مجاہدین کی مدد کرتے رہے لیکن جینوا اکارڈ پر دستخط ہوتے ہی مغربی ممالک ہر قسم کی امداد سے دست کش ہو گئے، اور خود غرض اور کوتاہ بین۔افغان مجاہد لیڈر شپ نے ذاتی اقتدار کے حصول کی خاطر ملک کو خانہ جنگی کی طرف دھکیل دیا۔ طالبان کے ظہور سے پہلے صورتحال کچھ یوں ہو چکی تھی کہ امریکہ، روس، نو آزاد شدہ وسطی ایشیائی ریاستیں، بھارت، اسرائیل، ایران سب افغانستان میں اپنے اپنے مفاد اور اغراض و مقاصد کے لئے برسرپیکار تھے۔امریکہ چاہتا تھا کہ افغانستان میں اسلامی نظام کا راستہ روکا جائے۔ملک کو لسانی بنیادوں پر تقسیم کر دیا جائے۔افغانستان میں بدامنی کو طول دیا جائے تاکہ وسطی ایشیائی ریاستوں کی رسائی بحیرہ عرب تک نہ ہو سکے اور ان ریاستوں کے تجارتی روابط بدستور روس اور یورپی ممالک سے برقرار رہیں تاکہ یہ ممالک ایک علاقائی اسلامی بلاک بن نہ پائیں۔اور ان کے تعلقات مسلم ممالک سے پیدا نہ ہو سکیں۔ جہاد سے قبل بھارت کی افغانستان میں دلچسپی کا واحد مقصد پاکستان دشمنی اور اس نوزائیدہ ملک کے لئے مسائل پیدا کرنا رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے اقوام متحدہ کا رکن بننے کے خلاف صرف ایک ووٹ پڑا اور وہ واحد ووٹ افغانستان کا تھا۔ ظاہر شاہ کی حکومت نے یہ سب بھارت کے ایماء پر کیا تھا۔روس کا کاسہ لیس ہونے کی وجہ سے افغان جہاد کے دوران بھارت کا رویہ "دیکھو اور انتظار کرو" کا رہا۔ مگر خانہ جنگی کے دوران اس نے افغان دھڑے بندیوں میں دلچسپی لینی شروع کر دی اور طالبان، ملیشیاء کی برق رفتار کامیابیوں کے بعد بھارت مختلف طریقوں سے احمد شاہ مسعود، دوستم اور ربانی وغیرہ کی امداد پر اتر آیا۔ افغانستان میں امن قائم ہو جانے کی صورت میں بھارت کو سب سے بڑا خطرہ کشمیر کے جہاد میں شدت آجانے کا ہے۔بھارت یہ جانتا ہے کہ افغان مجاہد آج بھی اپنے کشمیری بھائیوں کے شانہ بشانہ وادی میں مصروف جہاد ہیں۔اس وقت یہ تعداد کم ہے مگر یہ تعداد افغانستان میں امن قائم ہونے کے بعد کسی وقت بھی بڑھ سکتی ہے۔ قارئین کے لئے یہ بات باعث دلچسپی ہو گی کہ افغان جہاد کے

دوران کشمیری نوجوانوں نے ہزاروں کی تعداد میں حصہ لیا اور وہ جنگی تجربہ حاصل کیا جو آج ان کے کام آرہا ہے۔ افغان احسان فراموش نہیں وہ جس روز فارغ ہوئے اپنا قرض چکانے کشمیر پہنچ جائیں گے۔ اور یہی بات بھارت کیلئے سب سے بڑی پریشانی کا باعث ہے۔

ایران کا رویہ افغان جہاد سے متعلق اور بعد کے ایام میں کچھ غیر معین سا رہا کہ وہ خود عراق سے ایک طویل جنگ میں مصروف تھا، اس لئے وہ افغانستان کے مسائل میں الجھنے کے قابل نہ تھا۔ دوسرے وہ افغانستان سے امریکی جنگی سامان (سٹنگر، میزائل وغیرہ) جو وافر مقدار میں امداد کے طور پر آرہا تھا حاصل کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ اس لئے مجبوراً خاموش رہا۔ مگر یہ خاموشی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور ایران جلد ہی کھل کر سامنے آگیا۔ شمالی اتحاد کے دھڑوں کو امداد کا ایرانی مقصد اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ ایران لسانی بنیادوں پر افغانستان کی تقسیم کا خواہشمند ہے اور چاہتا ہے کہ افغانستان کے شمالی صوبے اور اسکی سرحدوں کے نزدیک علاقے جو فارسی بولتے ہیں علیحدہ مملکت کی صورت اختیار کریں اور ایران کے حلقہ اثر میں آجائیں۔ اس کے علاوہ ایران کی یہ بھی خواہش ہے کہ وسطی ایشیائی ریاستیں جو شمالی افغان علاقوں کے پڑوس میں واقع ہیں۔ بیرونی دنیا سے تجارتی روابط کیلئے ایران کی بندرگاہ بندر عباس کو استعمال کریں۔ اور ان ملکوں کی اندرونی تجارت بھی ایران سے ہی ہو۔ آثار بتاتے ہیں کہ بھارت کی طرح ایران بھی اپنے علاقے کا کوتوال بننے کی ایک دلی دلی خواہش رکھتا ہے۔ (اپنے پیشرو شہنشاہ ایران کی طرح) مگر اس مقام کو حاصل کرنے میں اسے وقت لگے گا اور خلیج میں بین الاقوامی رکاوٹیں شاید اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوں۔ بہر حال ایران کی طالبان دشمنی کی وجوہ دوسری باتوں کے علاوہ مسلکی اختلاف بھی ہے جس کا اظہار اکثر و بیشتر ایرانی حکومت کھل کر کرتی رہتی ہے اور ساتھ ہی پاکستان کو بھی نہیں بخشا جاتا۔ افغانستان کے شمال میں واقع وسط ایشیائی ریاستوں میں سے تین ریاستیں تاجکستان، ازبکستان اور ترکمانستان افغانستان سے مشترک سرحدیں رکھتی ہیں اور ان علاقوں سے نسلی تعلق رکھنے والی ایک بہت بڑی تعداد افغانستان کے شمالی صوبوں میں آباد ہے۔

ذیل میں دیے ہوئے نسلی آبادی کے تقابلی جائزہ کی روشنی میں افغان قومیت کی

کثیر الانواع ترکیب ملاحظہ ہو۔

پشتون ۶۵ لاکھ (۴۳ فیصد) تاجک ۳۵ لاکھ (۲۴ فیصد) ازبک ۱۰ لاکھ (۶ فیصد) ہزارہ ۸ لاکھ ۷۰ ہزار (۵ فیصد) ترکمن ایک لاکھ ۲۵ ہزار (۰.۷ فیصد) فارسی وان ۶ لاکھ (۴ فیصد) ایمک ۸ لاکھ (۵ فیصد) بروہی ۲ لاکھ، بلوچ اور نورستانی ایک ایک لاکھ۔ کرغیز اور مغل چند ہزار اور ہندو سکھ ۳۰ ہزار۔ ان قبائل میں ایمک حنفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور ایران کی سرحدوں کے مشرق میں آباد ہیں۔ فارسی وانوں کی رہائش کے علاقے بھی ایرانی سرحدوں کے نزدیک ہیں اور یہ لوگ اسماعیلی فرقے کے پیرو ہیں۔ کرغیزوں کی بڑی آبادی صوبہ بدخشان میں پامیر کے پہاڑی علاقہ میں آباد ہے اور گلہ بانی کے پیشہ سے متعلق ہے۔ اس وقت افغانستان میں ۲۰ کے لگ بھگ مقامی بولیاں (DIALECTS) بولی جاتی ہیں۔

افغانستان سے ملحقہ وسطی ایشیائی ریاستیں صدیوں تک علم و آگہی کا منبع رہیں اور اسلامی علم و دانش کے سوتے یہیں سے پھوٹے مگر روس کے زاروں کے زیر اثر چلے جانے اور اس کے بعد ستر سال تک کمیونسٹوں کے زیر تسلط مذہبی پابندیوں کی وجہ سے یہ لوگ اسلام سے دور ہوتے گئے، لیکن ان پابندیوں کے باوجود ان ریاستوں کے سرحدی علاقوں میں دین وایمان کے چند دیئے روشن رہے۔ جو اب ایک اسلامی تحریک کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ چونکہ یہ ریاستیں باوجود روس سے آزاد ہونے کے ابھی تک روسی اثرات سے آزاد نہیں ہو پائیں۔ اس لئے افغان جہاد طالبان کی فتوحات اور اپنے علاقے میں موجود چھوٹی موٹی اسلامی تحریکیں انہیں خوف زدہ کئے رکھتی ہیں اور ان تحریکوں کو افغانستان کی سرحدوں کے اندر دھکیلنے کیلئے ان ممالک کی حکومتوں کو اپنے پرانے آقاؤں کو مدد کیلئے بلانا پڑتا ہے۔ اس وقت افغانستان کے شمالی سرحدی علاقے جو طالبان کے کنٹرول میں نہیں ان میں روسی فوجیں چند ایک مقامات پر شمالی اتحاد کی مدد کے لئے گھس آئی ہیں۔ انکے علاوہ اندرون ملک چند اور مزاحمتی محصورے Pockets of Resistance، کاپیسا، پنج شیر، تخار اور بدخشان کے علاقوں میں موجود ہیں۔ جن کو روس وسطی ایشیائی ریاستیں ایران اور بھارت مسلسل فوجی امداد فراہم کر رہے ہیں اور یہی امداد اب تک شمالی اتحاد کو زندہ رکھے

ہوئے ہے۔ ورنہ افغان مسئلہ آج سے دو تین سال پہلے حل ہو گیا ہوتا۔

افغانستان کا تقریباً ۹۰ فیصد سے زیادہ رقبہ اس وقت طالبان کے زیر تسلط ہے جس میں امن وامان کا مسئلہ اس خوبصورتی سے حل کر لیا گیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے مگر انتظامی محاذ پر منظم حکومتی ادارے نہ ہونے کی وجہ سے مسائل سر اٹھاتے رہتے ہیں اور ان کا مداوا نہیں ہو پاتا۔ میں اس میں قصور وار طالبان کو بھی نہیں گردانتا۔ وہ جو کچھ اس وقت کر رہے ہیں یہ ان کی استعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ اندرونی محاذ پر انہیں جن باغیوں سے واسطہ پڑا ہے وہ بے حد منظم اور تجربہ کار ہیں اور اپنے کریڈٹ میں بیس سال سے زائد جنگی تجربہ رکھتے ہیں۔ انہیں روس، ایران اور بھارت وغیرہ سے مسلسل جنگی امداد مع مشیروں کے مل رہی ہے۔ ان حالات میں جو کچھ پچھلے چار سالوں میں طالبان نے حاصل کیا ہے وہ ایک معجزہ سے کم نہیں۔ مگر ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ معجزے وقوع پذیر ہونا بند ہو جاتے ہیں۔ ایسا وقت آنے سے پہلے میں چاہوں گا کہ وہ مسلمان جو زندگی کی کسی بھی فیلڈ میں وہ تکنیکی مہارت رکھتے ہوں جو طالبان کو اپنے ادارے اپنی ایجنسیاں منظم کرنے میں مدد دے سکے۔ والنیٹر ہو کر اپنی خدمات پیش کریں اور افغانستان کو مثالی اسلامی مملکت بنانے میں مدد دیں۔ یہ کار ثواب صدقہ جاریہ ہوگا۔ میں حکومت پاکستان سے بھی درخواست کروں گا کہ امریکی آقاؤں کی خوشنودی پر اپنے بھائیوں کی بہتری کو ترجیح دیں۔ یہ لوگ آپ سے بڑے قریبی رشتے رکھتے ہیں۔ یہی آڑے وقت میں آپ کے کام آئیں گے۔ ان کے لشکروں کو منضبط عسکری سٹریٹیجی کے تحت لڑنے والی جنگی مشین بنانے میں انکی رہنمائی کریں ان کے پاس جان پر کھیل جانے والی افرادی قوت کی کمی نہیں وہ اپنے ہتھیار استعمال کرنے کی بھی مہارت رکھتے ہیں اور ذاتی کمزوریوں سے بھی مبرا ہے مگر کچھ حق وہ اس ہمسائے پر بھی رکھتے ہیں۔ جسکی جنگ انہوں نے چودہ سال تک لڑی اور مال ومتاع کے ساتھ لاکھوں جانوں کی قربانی دی۔

میں پرنٹ میڈیا سے بھی گزارش کروں گا کہ وہ مغربی ذرائع ابلاغ کے طالبان کش پراپیگنڈے کا توڑ کریں۔ حقائق کو عوام تک پہنچائیں۔ طالبان کی مجبوریوں کو سمجھیں۔ ان کی قبائلی روایات ان کے نسلی اور لسانی مسائل کو جاننے کی کوشش کریں۔ محدود عرصے کیلئے خواتین پر

(باقی ص ۱۸ پر)